OPEN ACCESS
Al-Nasr
ISSN (Online): 2958-9398
ISSN (Print): 2959-1015
https://alnasrjournal.com



# ابوالحسن علی سندھیؒ: سوانحی حالات اور علمی خدمات کا تعارفی مطالعہ

# Abu al-Hasan Ali al-Sindi (RA): A Study of His Biographical Background and Scholarly Contributions

*Dr. Asma Bibi*

*Lecturer, Department of Islamic Studies, Thal University Bhakkar,*

***Email:*** *asma.@tu.edu.pk*

## Abstract

Abu al-Hasan Ali al-Sindi (RA) was a distinguished Islamic scholar associated with the scholarly tradition of Sind and Madinah, whose intellectual legacy occupies an important place in the history of Hadith scholarship. He is particularly remembered for his contribution to the preservation, teaching, explanation, and dissemination of Prophetic traditions. This study provides an introductory examination of his biographical background, intellectual formation, teachers, students, scholarly environment, and major contributions to Islamic learning. Special attention is given to his role in the transmission and interpretation of Hadith and his influence on the development of Hadith studies in the Indian Ocean and Hijaz scholarly networks. His scholarly activities demonstrate the close intellectual relationship between the scholars of the Indian subcontinent and the academic circles of Madinah. His influence also extended through students and scholarly networks that contributed to the revival and strengthening of Hadith-oriented scholarship in the eighteenth century.

CC BY

The study adopts a qualitative and descriptive-analytical methodology based on available biographical, historical, and scholarly sources. It seeks to highlight the distinctive features of al-Sindi's intellectual personality, his scholarly services, and the significance of his contribution to Islamic sciences. The research argues that his legacy should be understood not merely in terms of individual writings and teaching activities, but also within the broader transregional movement of Hadith scholarship connecting Sind, the Indian subcontinent, and the Hijaz. His life and works provide valuable insight into the continuity and development of Islamic scholarly traditions across geographical boundaries.

**Keywords:** Abu al-Hasan Ali al-Sindi, al-Sindi, Sind, Madinah, Hadith, Hadith Scholarship, Islamic Scholarship, Islamic History, Indian Scholars, Hijaz, Scholarly Contributions.

## تعارف:

ابوالحسن علی سندھیؒ برصغیر پاک وہند کے ان ممتاز اہلِ علم اور محدثین میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے علمِ حدیث، علومِ اسلامیہ اور علمی وفکری روایت کی ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان کی علمی شخصیت اس اعتبار سے خصوصی اہمیت رکھتی ہے کہ ان کا تعلق سندھ کے خطے سے تھا، لیکن ان کی علمی سرگرمیاں اور علمی روابط حجازِ مقدس کے اہم مراکز تک پھیلے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے زمانے کے جید علماء اور محدثین سے استفادہ کیا اور اپنی علمی بصیرت، مطالعہ اور تدریسی صلاحیتوں کے ذریعے حدیثی علوم کی خدمت انجام دی۔ ان کا شمار ان علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے برصغیر اور حجاز کے درمیان قائم علمی روابط کو مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی زندگی اس حقیقت کی عکاسی کرتی ہے کہ اسلامی علمی روایت جغرافیائی حدود کی پابند نہیں رہی بلکہ علماء نے علم کے حصول، تدریس اور اشاعت کے لیے مختلف خطوں کا سفر کیا اور ایک دوسرے سے علمی استفادہ کیا۔

ابوالحسن علی سندھیؒ کی علمی شخصیت کا سب سے نمایاں پہلو علمِ حدیث سے ان کی گہری وابستگی ہے۔ انہوں نے حدیث کے مطالعہ، تدریس اور تفہیم کے ساتھ ساتھ طلبہ کی علمی تربیت پر بھی خصوصی توجہ دی۔ ان کے علمی اثرات ان کے تلامذہ اور ان سے وابستہ علمی حلقوں کے ذریعے آگے منتقل ہوئے، جس سے بعد کے ادوار میں حدیثی علوم کے فروغ کو تقویت ملی۔ ان کی علمی خدمات کو صرف انفرادی تصانیف یا تدریسی سرگرمیوں تک محدود نہیں کیا جا سکتا، بلکہ انہیں اس وسیع علمی تحریک کے تناظر میں دیکھنا ضروری ہے جس کے ذریعے برصغیر کے علماء نے حجاز، خصوصاً مدینہ منورہ، کے علمی مراکز سے تعلق قائم کیا اور وہاں سے حاصل ہونے والی علمی روایت کو اپنے علاقوں میں منتقل کیا۔

ابو الحسن علی سندھیؒ کے سوانحی حالات کا مطالعہ ہمیں ان کے خاندانی پس منظر، جائے پیدائش، ابتدائی تعلیم، اساتذہ، علمی اسفار، تلامذہ، تدریسی خدمات اور علمی مقام کے بارے میں اہم معلومات فراہم کرتا ہے۔ اسی طرح ان کی علمی خدمات کا جائزہ علم حدیث اور دیگر علومِ اسلامیہ کے فروغ میں ان کے کردار کو واضح کرتا ہے۔ ان کی شخصیت برصغیر کی علمی تاریخ میں اس لیے بھی اہم ہے کہ وہ ایسے دور سے تعلق رکھتے تھے جس میں حدیثی علوم کی طرف دوبارہ خصوصی توجہ پیدا ہو رہی تھی اور مختلف علمی مراکز کے درمیان روابط مضبوط ہو رہے تھے۔ اس پس منظر میں ابو الحسن علی سندھیؒ کا علمی کردار ایک ایسے عالم کی حیثیت سے سامنے آتا ہے جس نے اپنی علمی کاوشوں کے ذریعے حدیثی روایت کے تسلسل اور فروغ میں حصہ لیا۔ ابو الحسن علی سندھیؒ کی زندگی اور علمی خدمات کا تعارفی و تجزیاتی جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں ان کے حالاتِ زندگی، علمی سفر، اساتذہ و تلامذہ، علمی مقام، حدیثی خدمات اور برصغیر و حجاز کے علمی روابط میں ان کے کردار کو بنیادی موضوعات کے طور پر زیرِ بحث لایا جائے گا۔ ان کی شخصیت کا مطالعہ نہ صرف ایک ممتاز محدث کی علمی خدمات کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے بلکہ برصغیر میں اسلامی علوم کی نشوونما، علمی اسفار اور بین الاقوامی اسلامی علمی روابط کی تاریخ کو سمجھنے کے لیے بھی اہمیت رکھتا ہے۔

**نام ونسب:**

ان کا نام محمد کنیت ابو الحسن اور لقب نور الدین ہے، سلسلہ نسب یہ ہے محمد بن عبد الهادی السندی التتوی ثم الدنی الحنفی۔[1]

ٹھٹھ میں پیدا ہوئے' وہیں نشوونما پائی اور تعلیم حاصل کی تا آنکہ آپ نے وطن ہی میں ایک محقق عالم کی حیثیت سے شمار ہونے لگے اور طلبہ کا مرجع بن گئے، ان کے شاگرد رشید شیخ محمد حیات کا بیان ہے۔

"کان مولده فی السندفی بلدة یقال لها تتة نشا بها عالما محققا مرجعا للطلبه۔[2]

علامہ مرادی کی سلک الدرر کا جو نسخہ مصر میں طبع ہو کر شائع ہوا ہے' اس میں ابو الحسن کے ترجمہ میں اس مقام پر عبارت میں کچھ گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔ مطبوعہ نسخہ کی عبارت حسب ذیل ہے۔

"ولد بتتة قریة من بلا د السندو نشابهاثم ارتحل الی تسترواخذ بها عن جملةمن الشیوخ۔"[3]

یعنی " یہ ٹھٹھہ میں پیدا ہوئے جو دیار سندھ کا ایک گاؤں ہے وہیں نشوونما پائی پھر تستر کا سفر کیا اور وہاں کے شیوخ کی ایک جماعت سے تحصیل علم کیا۔ "

ہمارے خیال میں یہ عبارت کئی وجوہ سے محل نظر ہے، تستر کی طرف سفر کا کوئی تذکرہ نگار ذکر نہیں کرتا، ویسے بھی تستر کی طرف سے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی، اس زمانہ میں اس کی کوئی علمی شہرت نہ تھی کہ وہاں سفر کر کے جایا جاتا ہے، ہمارے خیال میں مصنف (کمپوزیٹر) یا کاتب کی عنایت سے یہاں فتہ کا تستر ہو گیا ہے' اور ولد بتتہ میں اس گاؤں کی نشاندہی ہے جو ٹھٹھ کے حوالے میں شیخ کا مولد تھا' اور شاید تستر کی طرح اس کو بھی تتہ سے تجنیس خطی کا شرف حاصل ہو گا ورنہ ظاہر ہے' کہ تتہ کی حیثیت اس عہد کی تاریخ میں قریہ کی نہیں بلکہ بلدۃ عظیمہ کی تھی، صاحب نزھتہ الخواطر کا ماخذ علامتہ ابو الحسن کے تذکرہ میں یہی سلک الدرر ہے، وہ تتہ کو قریۃ من بلاد السند کی بجائے ولد ببلدۃ تتہ من اقلیم السند لکھا ہے، لیکن اس طرف ان کا ذہن منتقل نہ ہوا کہ سفر تستر کی کیا ضرورت تھی اس کو برقرار رکھا۔

**اساتذہ و شیوخ**

علامہ موصوف نے سوائے علم حدیث کے جملہ علوم وفنون کی تحصیل اپنے وطن ہی میں کی تھی۔ سلسلہ روایت کی بنا پر ان شیوخ کے نام تو محفوظ ہیں جن سے حرمین شریفین میں سماع حدیث کیا تھا'لیکن مقامی علماء جن کی بدولت شیخ کی علمی استعداد علوم متداولہ میں کمال کو پہنچی اور وہ علامہ وقت کہلائے ان میں سے کسی ایک کا بھی نام معلوم نہیں، مرادی کی مذکورہ بالا عبارت میں اگر تستر کے بجائے ساتتہ پڑھا جائے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے۔ واخذ بھا عن جماعۃ من الشیوخ یعنی انہوں نے وہاں کے اساتذہ کی ایک جماعت سے علم کی تحصیل کی تھی، ملاعابد سندی بھی لکھتے ہیں کہ: "اخذ عن جماعۃ من العلماء الاعلام فی بلدہ والحرمین و غیرھا"[4] انہوں نے علماء اعلام کی ایک جماعت سے اپنے وطن میں اور حرمین وغیرہ میں علم حاصل کیا۔ ان علماء اعلام میں جو مشاہیر حرم تھے۔ وہ یہ ہیں۔ یوں علامہ سندھی نے اس طبقہ کے بعض اور اکابر سے بھی علم حدیث کی تحصیل کی ہے۔ لیکن مشہور یہی تین ہیں۔ شیخ عبدالحی کتانی فارسی فہرس الفہارس والاثبات، ومعجم المعاجم والمشیخات میں شیخ ابو محسن کبیر کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: ان تمام شیوح واساتذہ میں سب سے زیادہ جس کا اثر علامہ سندھی کے ذہن و فکر پر ہوا وہ شیخ ابراھیم کورانی ہیں، یادرہے کورانی کی اس درسگاہ سے سندھ وھند کے دو مشہور امام متاثر ہو کر نکلے ہیں، ایک امام ابوالحسن کبیر سندی، دوسرے امام ولی اللہ دھلوی، ابوالحسن نے اپنے باپ سے تحصیل حدیث کی ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحب نے 'ان کے بیٹے ابو طاھر بن ابراھیم کر دی سے 'یہی درسگاہ ہے' جہاں ان دونوں 9۔ ابوالعباس الفاسی نے اپنے سفر نامہ حجاز میں آپ کا شاندار تذکر کیا ہے اس نے 1211ھ میں وہاں کی زیارت کی۔

10۔ آپ کے شاگرد عبدالقادر بن محمد الشاذلی مالکی نے اپنی تاریخ میں آپ کی تذکرہ کیا ہے۔ اللہ کریم آپ کی روح کو راحت پہنچائے، آپ کی قبر کو منور فرمائے اور آپ پر اپنی رضا کی بارش برسائے۔ جیسا کہ آپ کی تالیفات سے دل منور ہوئے اور ان کے انوار سے پوشیدہ امور ظاہر ہو کر چمکنے لگے۔ آمین ۔[5]

اماموں کی ماتریدیت میں اشعریت کا، اور حنفیت میں شافعیت کا، اور تصوف میں فلسفہ کا، اور تنزیہ میں تشبیہ کا، اور توحید شہودی میں توحید وجودی کا پیوند لگایا گیا ہے۔ ان حضرات کی تصانیف میں ہمارے اہل علم کو جو بعض مقامات پر فقہاء حنفیہ اور متکلمین سے شدید اختلاف نظر آتا ہے وہ اسی کا اثر ہے، اس تاثر کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ دونوں بزرگ اگرچہ سندھ وھند میں علوم معقول ومنقول کی پوری تحصیل کر کے گئے تھے لیکن ان کی معلومات میں دو بڑے خلا تھے، ایک یہ کہ مشکاۃ سے اگے علم حدیث میں رسائی نہ تھی دوسرے قدماء حنفیہ کی تصانیف پر سرے سے نظر نہ تھی اس لئے ان دونوں بزرگوں نے جو اپنے عہد کے مشہور امام سندھی دھندی کا متاثر ہونا ضروری تھا۔

**سفر حرمین، مجاورت حرم نبوی ﷺ اور درس حدیث :**

علامہ سندھی نے جب تحصیل حدیث کی غرض سے حرمین شریفین کا سفر کیا' تو پھر وہیں کے ہو رہے اور مراجعت وطن کا خیال ہی دل سے نکال ڈالا، شروع شروع میں تو دس سال تک عزلت گزینی کی وجہ سے ان کی شہرت نہ ہو سکی لیکن بعد کو حرم نبوی میں مجلس درس آراستہ کی تو آسمان علم پر خورشید درخشاں بن کر چمکے، ملاحیات کے الفاظ ہیں:

" ثم مصافر الی الحرمین علی نیۃالقراء ، فمکث فیھا نحوامن عشر سنین لم یشتھر لکژۃعزلتہ ثم جلس للتدریس فی الحرم النبوی ۔ "[6]

"پھر حرمین کی طرف سفر کیا قراٗ سے ملنے کو 'وہاں دس سال ٹھہرے اور اپنی عزلت نشینی کی وجہ سے زیادہ مشہور نہ ہو سکے 'پھر درس کی غرض سے مسجد نبوی میں قیام کیا" مدینہ طیبہ میں علامہ موصوف جن کتابوں کا درس دیا کرتے تھے ارباب تذکرہ نے ان میں حسب ذیل کتابوں کا خاص طور پر ذکر کیا۔ ہے۔ تفسیر میں تفسیر قاضی بیضاوی۔ حدیث میں صحاح ستہ، موطا امام مالک، مسند امام احمد بن حنبل۔ فقہ میں ہدایہ۔

**حسن اخلاق وورع و تقوی:**

علم کے ساتھ اللہ تعالی نے عمل کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ مزاج میں انکساری عمل میں نکوکاری اور کتاب و سنت کی اتباع کا جذبہ موصوف کے خصوصی اوصاف تھے، چنانچہ تذکرہ نگاروں نے فضل وذکاء کے ساتھ ساتھ ان کی نکوکاری صلاح و تقوی اور زہد وورع کو بھی خاص طور پر بیان کیا ہے۔ مرادی لکھتے ہیں:

"اشتهربالفضل والذكاء والصلاح ورعاوكان عا لما عاملا ورعازاهدا۔"[7]

"اپنے علم وفضل کی اور تقوی کی وجہ سے مشہور ہوئے اور وہ عالم عامل اور زاھد تھے"

ملا محمد حیات کا بیان ہے:

"وکان زاھدا متورعا کثیر الاتباع لکتاب اللہ تعالی وسنۃ رسولہ ﷺ و متواضعا صنعا۔"[8]

علامہ سندھی کے تلامذہ کی تعداد شمار سے باہر ہے ملا عابد سندھی لکھتے ہیں:

"واخذ عنہ جماعۃ لا یحصوں" ان سے اتنی بڑی جماعت نے علم اخذ کیا۔ کہ جو شمار نہیں کی جا سکتی، لیکن ان تمام تلامذہ میں ان کی جانشینی کا فخر جس خوش قسمت کے حصہ میں آیا۔ وہ محدث محمد حیات سندھی ہیں، آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان اور ماثر الکرام میں اور نواب صدیق حسن خان نے اتحاف النبلاء المتقین میں ان کا مبسوط تذکرہ کیا ہے۔ قانع کی زبانی یہ آپ پہلے سن چکے ہیں، کہ ملا حیات کے بعد ان کی مسند درس کو جس بزرگ نے سنبھالا وہ ملا موصوف کے شاگرد رشید شیخ ابو الحسن صیغر محدث سندی ثم المدنی ہیں، اس طرح حرم نبوی میں درس حدیث کا جس سلسلہ ہمارے علامہ ابو الحسن کبیر نے جاری کیا تھا۔ وہ ان کے شاگرد تک برابر قائم رہا او ر ایک عالم اس سے فیضاب ہوا۔

**علماء کا ان کی خدمت میں خراج تحسین:**

علامہ مرادی کے سلک الدرر (ج۔۴ صحفہ ٦٦) میں ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں:

"محمد السندی، ابن عبد الھادی السندی الاصل والمولد الحنفی نزیل المدینۃ المنورۃ الشیخ الامام العامل العلامۃ المحقق المدقق التحریر الفھامۃ ابو الحسن نورالدین ۔ درس بالحرم الشریف النبوی ۔۔۔۔ وکان شیخا جلیلا ماھر المحققا بالحدیث والتفسیر والا صول "۔[9]

والعربیہ وغیر ھانزھۃ الخواطر میں ان کا ترجمہ تمامتر سلک الدرر ہی سے منقول ہے۔ علامہ محمد عابد سندی فرماتے ہیں۔:

"كان عالما ضابطامتقنا حوى جميع العلوم وخاض فى منطورقها والموهوم واختص بعلم الحديث و بلغ فيه الغاية ۔[10]

شیخ محمد حیات کے الفاظ ہیں: "كان شيخاجليلا ماهر ا محققافى النحووالمعانى والمنطلق والا صول و التفسير والحديث وله تحقيق فى الفقه"۔[11]

صاحب فہرس الفہارس شیخ عبدالحی کتانی نے ان کا تذکرہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے:

"هومحدث المدينة المنورةواخذمن خدم السنة من المتاخرين خدمه يستهال بها "[2]

**منزلتِ علمی:**

ان علماء اسلام کی تصریحات بالا سے معلوم ہوا' کہ علامہ سندہی کو تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، نحو، عربیت، معانی، منطق تمام علوم میں متبحر کا درجہ حاصل تھا اور وہ ان سب فنون میں محققانہ امتیاز رکھتے تھے خاص طور پر فقہ و حدیث میں ان کا درجہ بہت اونچا تھا، علامہ سندھی کی متعدد تصانیف اب چھپ کر منظر عام پر آگئی ہیں' جن سے ان کی جلالت علمی کا آج بھی اہل علم کو اندازہ ہو سکتا ہے۔

صحاح ستہ پر حافظ سیوطی نے بھی تعلیقات لکھی ہیں' اور علامہ سندھی نے بھی سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ پر ان دونوں حضرات کے حواشی طبع ہو چکے ہیں، دونوں کا موازنہ کر لیا جائے' اس میں شک نہیں کہ سیوطی کے یہاں ان غرر نقول موجود ہیں اور علامہ سندھی نے خود ان کی شروح سے کافی فائدہ اٹھایا ہے لیکن دیکھنے کی بات ہی ہے۔ کہ جہاں نقل سے نہیں بلکہ عقل سے کام پڑتا ہے اور فہم مراد اور توضیح مطلب کی باری آتی ہے وہاں کس کا پلہ بھاری ہے یہ مختصر مقالہ بیان امثلہ کا متحمل نہیں ہو سکتا اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ سیوطی اگر وسعت نظر میں بڑھے ہوئے تو علامہ دقت نظر میں فائق ہیں جہاں وہ دوسرے شارحین توجیہ حدیث سے عاجز ہوتے ہیں وہاں علامہ بہترین توجیہ پیش کر دیتے ہیں، سیوطی کو سات علوم میں اجتھاد کا دعوی تھا مجملہ ان کے نحو وعربیت بھی ہیں لیکن نسائی کے دونوں حاشیے اس بات کے شاہد ہیں کہ متعدد مقامات پر علامہ سیوطی نے تحلیل صرافی یا ترکیب نحوی یا وجوہ معانی کے لحاظ سے کسی ایک خاص توجیہ کی صحت سے انکار کیا، اور ہمارے علامہ نے اسی خاص توجیہ کو صرف یا نحو یا علم معانی کے روشنی میں مدلل روشن کر دیا، سنن نسائی کے تراجم ابواب پر جس طرح علامہ سندھی نے کلام کیا ہے کسی نے نہیں کیا، اسی طرح سنن ابن ماجہ کے زوائد پر حافظ بوصیری کی تحقیات کو نقل کر کے سیوطی کے مقابلہ میں انہوں نے اپنی شرح کو اسمان پر پہنچادیا ہے۔

ٴعلم حدیث پر علامہ سندھی نے خاص توجہ کی ہے اور اس فن میں انھوں نے بڑی شاندار خدمات انجام دی ہیں برصیغر پاک وہند میں یہی ایک بزرگ ہیں جن کو صحاح ستہ کی تمام کتابوں پر شرح لکھنے کا فخر حاصل ہے، ان کی جلالت قدر کا اعتراف عرب وعجم کے علماء کو ہے، شیخ اسماعیل بن محمد سعید نے جب اپنے مشہور شاگرد دمنتی کو علم حدیث کی سند دی تو علامہ سندی کے متعلق یہاں تک لکھ دیا ہے کہ:

"کان احد الحفاظ المحققین والجھابذہ المدققین "۔[12] اور علامہ ممدوح کے محقق و مدقق اور جھذ ہونے میں تو ہمیں کلام نہیں البتہ ان کو حافظ حدیث کہنا مبالغہ سے خالی نہیں، حافظ کی جو تعریف کتب اصول حدیث میں بیان کی گئی ہے وہ صادق نہیں آتی کیونکہ ان پر روایت سے زیادہ درایت کا غلبہ ہے، ہمارے نزدیک علم وحدیث میں ان کا وہی درجہ ہے جو علامہ طیبی شارح مشکوۃ کا، حافظ سیوطی نے علامہ طیبی کے متعلق یہ ظاہر کی ہے:

"وله الامام بالحديث لكنه لمديبلغ فيه درحجة الحفاظ ، و منتهى نظره الكتب السته ومسند احمد اور دارمى لا يخرج من غيرها"[13]

ان کو علم حدیث پر توجہ رہی ہے لیکن یہ اس فن میں حفاظ حدیث کے درجہ پر نہ پہنچ سکے، ان کا منتھائے نظر صحاح ستہ مسند احمد اور دارمی ہیں، ان کے علاوہ اور کتابوں سے یہ تخریج حدیث نہیں کرتے۔

علامہ طیبی کی طرح علامہ سندی کا منتھا ومنظر بھی صحاح ستہ اور مسند احمد پر جا کر ختم ہو جاتا ہے اس لئے حافظ حدیث کے بجائے ان کو محدث فقیہ کہنا زیبا ہے کتب مذکورہ متون احادیث پر ان کی بڑی گہری نظر ہے وہ شرح حدیث کے امام ہیں اور خوب سے خوب توجیہ اور عمدہ سے عمدہ نکتے بیان کرتے ہیں۔

فقہ میں بھی علامہ کے شاگرد ملاحیات نے ان کے بارے میں تصریح کی ہے کہ ولہ تحقیق فی الفقہ جو ایک حقیقت کا بیان ہے۔ کہ بعض مسائل فقہ میں ان کی تحقیق حنفی مذہب سے الگ ہے، مگر صاحب الیسانع الجنی نے تو ان سے بھی آگے بڑھ کر یہاں تک دعوی کر دیا ہے کہ من اصحاب الوجوہ فی المذاھب معلوم نہیں صاحب الیانع الجنی اصحاب الوجوہ کی اصطلاح سے واقف بھی تھے یا نہیں، اصحاب الوجوہ کا درجہ مجتھد فی الھذاھب کے اوپر ہے اور اوپر مجتھد مطلق منتسب کے بعد ہے۔ یہ وہ درجہ ہے جو طحاوی ، کرخی، حارثی اور جرجانی کا تھا، علامہ سندی کو ان آئمہ سے وہی نسبت ہے جو ستارہ کو آفتاب سے، یہ تحقیق و وجوہ جن جنس میں اتنی اہمیت دی جارہی ہے وہی ہیں جن کی داغ بیل ملا کورانی کی درسگاہ میں پڑی تھی یہاں علماء شوفعی کی کتاب الام، اور بغوی کی شرح السنۃ کا مقابلہ جب کی صحاح ستہ کی تبویب بھی سامنے ہو تنہا فتح القدیر سے نہیں کیا جا سکتا اس لیے اثناء درس میں جن تحقیقات نے دل میں گھر کر لیا تھا' وہ آخر تک اپنا رنگ دکھاتی رہیں، تاہم علامہ سندھی اپنے کو حنفی ہے کہتے اور سمجھتے ہیں، علامہسندھی اور شاہ ولی اللہ یہ دونوں بزرگ حنفی المذھب کے مسائل کو صحاح ستہ اور مسند احمد کی روایات پر پیش کیا کرتے ہیں' اگر ہم موافقت ہو توفبھا' ورنہ درصورت اختلاف ان روایات کو جیح دیتے ہیں' جن پر ارباب صحاح نے تبویب کی ہے' اس تحقیق میں ایک کمی یہ ہے' کہ بعض اوقات ایک روایت ان کی کتابوں میں موجود ہوتی ہے' مگر وہ اس لئے نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے' کہ اپنے مظان پر مذکور نہیں ہوتی ہیں' جیسے رویت ہلال کا یہ مسلہ کہ جب مطلع صاف ہو تو اتنے جم غفیر کی شہادت درکار ہے ' کہ جس پر اطمنان کیا جا سکے' یہ مسلہ جس حدیث سے لیا گیا ہے' وہ مسلہ کتاب الصوم میں ملے گی نہ عیدین میں بلکہ کتاب الصلوۃ باب سجود السہو میں ملے گی جس میں یہ مذکورہ ہے' کہ ایک بار آنحضرت ﷺ نے ظہر کی نماز میں دو رکعت پر سلام پر سلام پھیر دیا اور اٹھ کر جانے لگے اس پر ذوالیدین نامی ایک صحابی نے عرض کیا، یارسول اللہ کیا نماز کم ہو گئی یا آپ بھول گئے؟

آنحضرت ﷺ نے ان کی بات کا یقین نہ کرتے ہوئے دوسرے صحابہ سے دریافت کیا ظاہر ہے کہ جس واقعہ سے سب کو سابقہ پڑا ہو وہاں تنہا ایک شخص کا بیان کس طرح کافی ہو سکتا تھا۔ اور جب دیگر صحابہ نے بھی اس امر کی شہادت دی تو اپنے بقیہ نماز ادا کر کے سجدۃ السہو ادا فرمایا، اس روایت سے فقہا حنفیہ نے یہ مسلہ نکالا' کہ جس مسلہ میں ابتلاء عام ہو' وہاں خبر احاد قابل قبول نہیں، بلکہ اتنی وقیع شہادت درکار ہے' جو قابل اطمنان ہو، اسی بنا پر رویت ہلال میں فقیہ ایوب بلخی نے تصریح کی ہے 'ہمارے زمانہ میں پانچ سو بھی بلخ میں کم ہیں ظاہر ہے' کہ جہاں لاکھوں نظریں آسمان پر جمی ہوں' وہاں معدودے چند افراد کی شہادت کیسے قبول کی جا سکتی ہے۔ تاہم بعض فقہا کی نظر اس رویت پر نہ گئی اور انہوں نے اس موقع پر بھی دو آدمیوں کی شھادت کو کافی سمجھ لیا۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ حدیث کا ذخیرہ ہی کتابوں میں محدود نہیں بعض وقت یا تو سرے سے ایک مسلہ کی روایت ان میں موجود ہی نہیں ہوتی، ہوتی بھی ہے تو وہ قابل ترجیح سند سے نہیں ہوتی ایسی صورت میں جس کی نظر میں جو روایت ہو گی وہ اسی کو ترجیح

دیگا، مخدوم محدث محمد ہاشم سندھی اور علامہ ابوالحسن سندھی کی تحقیقات میں بنیادی فرق بھی ہے 'کہ مخدوم صاحب جب کسی مسلہ کی تحقیق کرنے بیٹھے ہیں تو اپنی تحقیقات کا دائرہ مسند احمد اور صحاح ستہ تک محدود نہیں رکھتے بلکہ جیسا کی ان کے نامور صاحبزادے مخدوم مولانا عبداللطیف سندھی نے ذب ذبابات الدراسات (صفحہ ۵۱۔ج۱) میں تصریح کی ہے کہ حدیث کی سو دیڑھ سو کتابوں کا ایک ساتھ جائزہ لے ڈالتے ہیں، اور جب تک پوری طرح اطمنان نہیں کر لیتے اپنی رائے ظاہر نہیں کرتے، خدا تعالی نے ان کو حدیث وفقہ کی پیش بہا کتابوں کا ذخیرہ بھی ایسا عنایت کیا تھا کہ باید وشاید یہی وجہ ہے کہ اس دیار میں مخدوم صاحب کے مقابلہ میں اور کسی عالم کا چراغ روشن نہ ہو سکا۔

تاہم اجتہادی مسائل میں طرفین سے مجال سخن تنگ نہیں، غلط فہمی نہ ہو مسائل فروعیہ کی الگ بات ہے 'جہاں تک شرح حدیث اور توجیہ معانی کا تعلق ہے 'نہ علامہ ابوالحسن سندھی کی نظیر علماء سندھ میں ہے 'نہ شاہ ولی اللہ کی مثال علماء ہند میں وقیقہ سنجی اور نکتہ آفرینی ان دونوں بزرگوں پر ختم ہے۔

**تصانیف:**

حواشی علی الصحاح الستہ یہ حدیث کی مشہور چھ کتابوں پر ان کے الگ الگ چھ حاشیے ہیں، البتہ جامع ترمذی پر ان کا حاشیہ مکمل نہ ہو سکا، سنن ابن ماجہ کا حاشیہ سب سے زیادہ مبسوط ہے، باقی حواشی مختصر ہیں، ان حواشی میں مصنف کا مطمع نظر زیادہ تر کتاب کا حل اور مشکل مقامات کی توضیح ہے، ضبط لفظ ایضاح غریب، تفصیل اعراب سے زیادہ اعتنا کیا ہے، جو کچھ لکھتے ہیں کام کی بات لکھتے ہیں، صحیح بخاری اور ابن ماجہ کے حواشی مصر میں مکرر طبع ہو چکے ہیں، سنن نسائی کا حاشیہ ہندوستان اور مصر دونوں جگہ سے شائع ہو چکا ہے، صحیح مسلم کا حاشیہ جو نہایت مختصر ہے ملتان سے شائع ہوا ہے، سنن ابی داود کا حاشیہ جس کا نام فتح الودود ہے اگرچہ علیحدہ طبع نہیں ہوا لیکن سنن ابی داود کے تمام شروع وحواشی میں موقع بموقع منقول ہے اس کا قلمی نسخہ بھی کتب خانہ پیر جھنڈو میں موجود ہے۔

۷۔ حاشیہ علی مسند الامام احمد اس کا ربع اول صاحب فہرس الفھارس کے پاس موجود ہے، جس کا تعارف انہوں نے ان لفظوں میں کرایا ہے، لایستغنی عنھا مطالعہ او قارۂ (کہ جس کو مسند کا مطالعہ کرنا یا پڑھنا وہ اس سعی مستغنی نہیں ہو سکتا، صاحب سلک الدرر لکھتے ہیں ولہ حاشیۃ نفیسۃ علی مسند الامام احمد، علامہ محمد حیات فرماتے ہیں و کتب علیہ حاسیۃ جلیلہ لم یسبق الیھا۔

۸۔ حاشیہ علی تفسیر البیضاوی ملاحیات اس کے بارے میں لکھتے ہیں وکتب علیھاحاسیۃ لطیفۃ۔

۹۔ حاشیہ علی فتح القدیر شرح الھدایہ یہ کتاب النکاح تک تو فتح القدیر کا حاشیہ ہے، اور پھر اس کت متن ہدایہ کا، ملاحیات اس کو حاشیہ ہے، اور پھر اس کے متن ہدایہ کا، ملاحیات اس کو حاشیہ ذات تحقیق بتاتے ہیں، اس حاشیہ کا نام البدر المنیر ہے اور اسکا قلمی نسخہ مدینہ منورہ کے کتب خانہ محمود یہ، اور پشاور کے اسلامیہ کالج کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

۱۰۔ حاشیہ کتاب الازکار امام نودی۔

۱۱۔ حاشیہ علی الزھراوین ملا علی قاری۔

۱۲۔ تفسیر لطیف۔

۱۳۔ حاشیہ علی الجلالین۔

۱۴۔ حاشیہ علی شرح جمع الجوامع لابن القاسم اس کا نام الایات البینات ہے۔

۵۱۔ الفیوضات النبویہ فی حل المغازی البرکویہ اس کا نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہے۔

٦١۔ حاشیہ علی شرح النخبہ اس کا ذکر صاحب فہرس الفہارس نے کیا ہے۔

ان کی تمام تصنیفات بغایہ نافع و مفید تھیں حق تعالی نے قبول عام بھی ان کے متعلق شایان شان نصیب فرمایا۔اوپر دی گئی بحث اس تفصیل کا خلاصہ ہے جو فہرس الفہارس' علامہ زرقانی، کی شرح المواھب للدنیہ ( طبع مصر)5 / 77، میں مذکور ہے۔

**وفات:**

سنہ وفات میں عجیب اختلاف ہے ملاعابد سندی نے ۱۱۴۱ لکھا ہے۔ملاحیات ۱۱۳۹ بتاتے ہیں مرادی نے ۱۱۳۸ بیان کیا ہے اور جبرتی نے ۱۱٦۳فہرس الفہارس اور الیع الجنی میں ۱۱۳۹ میں مرقوم ہے،جنازہ میں بڑا ہجوم تھا، عورتیں تک شریک ہوئیں۔بازار میں دوکانیں بند رہیں عمال حکومت ان کا جنازہ کاندھوں پر لئے ہوئے پہلے حرم نبوی میں حاضر ہوئے اور وہیں نماز جنازہ ادا کی گئی پھر بقیع میں تدفین عمل میں آئی لیکن لوگوں کو ان کی وفات کا سخت صدمہ تھا۔ایک خلقت ان کے غم میں رو رہی تھی۔[14]

**خلاصہ بحث**

ابوالحسن علی سندھیؒ برصغیر کی علمی وحدیثی تاریخ کے ایک نمایاں عالم اور محدث تھے، جن کی علمی شخصیت نے سندھ، برصغیر اور حجاز کے درمیان قائم علمی روابط کو مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی زندگی اور علمی خدمات کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ برصغیر کے علماء نے اسلامی علوم، بالخصوص علمِ حدیث، کی حفاظت، تدریس اور ترویج میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ ابوالحسن علی سندھیؒ نے اپنے عہد کے علمی ماحول سے بھرپور استفادہ کیا، جید علماء سے علم حاصل کیا اور اپنی علمی قابلیت اور تدریسی صلاحیتوں کے ذریعے ایک ایسے علمی حلقے کی تشکیل میں حصہ لیا جس کے اثرات بعد کے ادوار تک محسوس کیے گئے۔

ان کی علمی شخصیت کا نمایاں پہلو حدیث سے گہری وابستگی اور حدیثی متون کی تفہیم و تشریح میں دلچسپی تھی۔ انہوں نے محض روایتِ حدیث پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حدیثی علوم کو سمجھنے، سمجھانے اور طلبہ تک منتقل کرنے کی علمی ذمہ داری بھی انجام دی۔ ان کی تدریسی خدمات کے ذریعے متعدد طلبہ نے علمی استفادہ کیا اور ان کے علمی اثرات آگے منتقل ہوئے۔ اس اعتبار سے ان کی خدمات کو ایک ایسے علمی تسلسل کا حصہ قرار دیا جا سکتا ہے جس نے بعد میں برصغیر میں حدیثی فکر کے فروغ اور علمی بیداری میں اہم کردار ادا کیا۔

ابوالحسن علی سندھیؒ کی زندگی کا ایک اہم پہلو ان کے علمی روابط اور اسفار ہیں۔ ان کے علمی سفر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اس دور میں علم کے حصول کے لیے علماء مختلف علاقوں کا سفر کرتے اور مختلف علمی مراکز سے استفادہ کرتے تھے۔ سندھ اور حجاز کے درمیان ان کے علمی تعلق نے اس بات کو مزید واضح کیا کہ برصغیر کے علماء عالمِ اسلام کے بڑے علمی مراکز سے مسلسل علمی رابطے میں تھے۔ مدینہ منورہ جیسے عظیم علمی مرکز میں ان کی موجودگی اور علمی سرگرمیوں نے ان کی شخصیت کو ایک وسیع تر اسلامی علمی تناظر میں نمایاں کیا۔

ان کی خدمات کا جائزہ یہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ کسی عالم کی علمی اہمیت صرف اس کی تصانیف کی تعداد سے متعین نہیں ہوتی، بلکہ اس کے علمی اثرات، تدریسی خدمات، تلامذہ کی تربیت اور علمی روایت کے تسلسل میں اس کے کردار کو بھی بنیادی اہمیت حاصل

ہوتی ہے۔ ابو الحسن علی سندھیؒ اسی اعتبار سے ایک مؤثر علمی شخصیت کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ انہوں نے اپنے علم کو آگے منتقل کیا اور ایسی علمی روایت میں اپنا حصہ ڈالا جو بعد میں متعدد اہلِ علم کے ذریعے مزید مضبوط ہوئی۔

مختصراً، ابو الحسن علی سندھیؒ کی حیات و خدمات کا مطالعہ اس نتیجے تک پہنچاتا ہے کہ وہ محض ایک مقامی عالم نہیں بلکہ برصغیر اور حجاز کے درمیان علمی رابطے کی ایک اہم کڑی تھے۔ ان کی علمی زندگی علمِ حدیث سے وابستگی، طلبِ علم، تدریس، علمی استفادے اور علمی روایت کی منتقلی کی ایک قابلِ قدر مثال پیش کرتی ہے۔ ان کی شخصیت برصغیر کے علمی ورثے اور حدیثی تاریخ میں خصوصی مقام رکھتی ہے۔ اس لیے ان کے سوانحی حالات اور علمی خدمات پر مزید تحقیقی کام نہ صرف ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کر سکتا ہے بلکہ برصغیر میں علمِ حدیث کی تاریخ اور اس کے عالمی علمی روابط کو سمجھنے میں بھی مفید ثابت ہو گا۔

## مصادر و مراجع


[1]۔ عبد الحئ، فہرس الفہارس والاثبات و معجم المعاجم والمشیخات (بیروت: دار الغرب الاسلامی، 1982)، 1/70۔75۔2۔ ایضا۔

[2]۔ ایضا۔

[3]۔ ایضا۔

[4]۔ فارسی فہرس الفہارس والاثبات، و معجم المعاجم والمشیخات، 1/301۔

[5]۔ فارسی فہرس الفہارس والاثبات، و معجم المعاجم والمشیخات، 1/301۔

[6]۔ فارسی فہرس الفہارس والاثبات' و معجما المعاجم والمشیخات' 1/301۔

[7]۔ أبو الفضل محمد خليل بن علي بن محمد بن محمد مرادا الحسيني، *سلک الدرر* في أعيان القرن الثاني عشر (دار البشائر الإسلامية، دار ابن حزم الطبعة: الثالثة 1988) 4/66۔

[8]۔ ایضا۔

[9]۔ أبو الفضل محمد خليل بن علي بن محمد بن محمد مرادا الحسيني، *سلک الدرر* في أعيان القرن الثاني عشر (دار البشائر الإسلامية، دار ابن حزم الطبعة: الثالثة 1988) 4/66۔

[10]۔ ایضا۔

[11]۔ ایضا۔

[12]۔ فہرس الفہارس، 1/301۔

[13]۔ علامہ زرقانی، شرح المواہب للدنیہ (طبع مصر) 5/77۔

[14]۔ فہرس الفہارس۔ 1/270-275۔